ماہنامہ نگارستانِ ادب، کراچی
جلد: ۱۴ شمارہ: ۳ (مارچ ۲۰۲۴ء)
مدیر: ڈاکٹر نسرین فاطمہ
مدیرِ معاون: سید ابرار حسین
مجلسِ ادارت: پروفیسر عارفہ سلطانہ، ڈاکٹر ہما بانو، محمد یونس حسرت
ناشر: بزمِ مطالعہ، ۱۲ مزنگ روڈ، کراچی
فون: 021-32412087
ای میل: nigaristan@adab.pk
ویب گاہ: www.nigaristan.adab.pk
قیمت: ۱۲۰ روپے

## اداریہ: مطالعہ کی عادت اور ہمارا ذمہ

ہر سال مارچ کی آمد کے ساتھ ہی ہمیں یاد دلایا جاتا ہے کہ کتاب سے ہمارا رشتہ کمزور ہو رہا ہے۔ یہ بات نئی نہیں، مگر ہر بار اتنی ہی سچی لگتی ہے جتنی پہلی بار لگی تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب اعداد و شمار بھی اس کی گواہی دینے لگے ہیں۔ ادارۂ شماریاتِ تعلیم کے تازہ سروے کے مطابق گزشتہ پانچ برسوں میں کتب خانوں کے باقاعدہ قارئین کی تعداد میں تقریباً ۳۷ فیصد کمی آئی ہے، جبکہ موبائل فون پر وقت گزارنے والوں کی تعداد اسی عرصے میں کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ یہ موازنہ خود اپنی جگہ ایک سوال ہے۔

ہم اکثر کہتے ہیں کہ نوجوان پڑھنا نہیں چاہتے، لیکن کیا ہم نے کبھی ٹھہر کر پوچھا ہے کہ وہ کیا پڑھنا چاہتے ہیں؟ ہمارے بیشتر کتب خانے آج بھی اُن کتابوں سے بھرے ہوئے ہیں جو پچاس برس پہلے خریدی گئی تھیں۔ نئی نسل کے ذہن، سوال اور زبان کے لیے وہاں کچھ موجود ہی نہیں۔ ایسے میں اگر وہ ہم سے دور ہو رہی ہے تو قصور کس کا ہے، یہ سوال ہمیں خود سے پوچھنا چاہیے۔

مطالعہ کی عادت کسی ایک دن میں پیدا نہیں ہوتی۔ یہ گھر کے ماحول، اسکول کے رویے اور معاشرے کی ترجیحات سے جنم لیتی ہے۔ جس گھر میں بچے والدین کو کتاب پڑھتے دیکھتے ہیں، وہاں کتاب کوئی اجنبی چیز نہیں رہتی۔ جس کلاس میں استاد سوال پوچھنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، وہاں کتاب جواب کی تلاش بن جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ ہم نے ان دونوں جگہوں کو بہت حد تک خالی چھوڑ دیا ہے۔ نصاب رٹنے پر زور ہے، سمجھنے پر نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم امتحان پاس کر لیتا ہے، مگر کتاب سے دوست نہیں بن پاتا۔

اس صورتِ حال کا ایک بڑا سبب کتاب کی قیمت بھی ہے۔ کاغذ، چھپائی اور ترسیل کے اخراجات بڑھنے سے کتاب عام قاری کی پہنچ سے دور ہو گئی ہے۔ ایک اوسط گھرانے کے لیے ہر ماہ چند نئی کتابیں خریدنا آسان نہیں، اور لائبریریوں کے بجٹ میں کٹوتی نے اس مسئلے کو اور سنگین بنا دیا ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ ریاست، ناشر اور قاری تینوں مل کر کوئی درمیانی راستہ نکالیں، ورنہ نقصان سب کا ہوگا۔

ہمیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ ہر کتاب ہر قاری کے لیے نہیں ہوتی، اور یہ کوئی برائی نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس مختلف ذوق رکھنے والے قارئین کے لیے متنوع مواد موجود ہی نہیں۔ اگر ہر موضوع پر کم از کم تین معیاری کتابیں دستیاب ہوں تو انتخاب کا حق حقیقی معنی میں ادا ہو سکتا ہے۔ یہ ذمہ داری صرف ناشر کی نہیں، بلکہ مترجم، مصنف اور تنقید نگار سب پر عائد ہوتی ہے۔

آخر میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مطالعہ کوئی فیشن نہیں جو وقت کے ساتھ بدل جائے۔ یہ ایک ایسی عادت ہے جو انسان کو اندر سے بدلتی ہے، اور ایسا معاشرہ ہی بدلتا ہے جس کے افراد اندر سے بدلتے ہیں۔ اگر ہم واقعی چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے کتاب سے جڑیں، تو ہمیں پہلے کتاب کو ان کی زندگی کا حصہ بنانا ہوگا۔ اس کے بغیر ہر سال کا یہ جشن محض ایک رسم بن کر رہ جائے گا۔

## ریگزار کے کنارے: ایک شام کا احوال

ریگزار کے کنارے شام کا منظر ہمیشہ سے شاعروں کو اپنی طرف کھینچتا رہا ہے، مگر جب یہ منظر کسی ایسے شخص کی آنکھ سے دیکھا جائے جو برسوں اس ریت میں چلتا رہا ہو، تو اس کی معنویت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ یہ تحریر اسی احساس کی ایک کوشش ہے۔ یہ کسی سفرنامے کا باب نہیں، نہ ہی کسی مہم کی روداد۔ یہ صرف ایک شام کا بیان ہے، جو شاید کسی اور کے لیے بھی اتنی ہی یاد بن جائے۔

دن بھر کی تپش کے بعد جب سورج افق کی طرف جھکنے لگا تو ہوا کا رنگ بدلنے لگا۔ ریت، جو دوپہر میں سفید چمک رہی تھی، اب ہلکے گلابی اور پھر سنہری رنگ اوڑھ رہی تھی۔ ہم اونٹوں پر سوار تھے اور قافلہ خاموشی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اونٹوں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی آواز کے سوا کوئی شور نہیں تھا۔ یہ خاموشی بوجھل نہیں تھی، بلکہ ایسی تھی جس میں سننے والا خود کو سننے لگتا ہے۔

غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے ہوا رک گئی۔ ریت پر ہوا کے بنائے ہوئے نشان ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی نے بڑی محنت سے لہریے بنائے ہوں۔ ہر لہر کا ایک رخ روشن تھا اور دوسرا سایے میں ڈوبا ہوا۔ اس فرق سے پورا منظر گہرائی اختیار کر لیتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے ساتھ چلنے والے مقامی لوگ بار بار مغرب کی طرف دیکھتے تھے، جیسے وہ وقت کو ناپ رہے ہوں۔ ان کے لیے یہ لمحہ کوئی نظارہ نہیں، ایک معمول کی گھڑی ہے۔

جب سورج آدھا زمین میں اتر چکا تو ہم نے ایک ٹیلے کے پاس پڑاؤ کیا۔ اونٹ بٹھائے گئے، سامان اتارا گیا اور چند ہی منٹ میں چائے کی کیتلی چولھے پر چڑھ گئی۔ یہ وہ لمحہ تھا جس کا سب کو انتظار تھا۔ ریگزار میں چائے صرف مشروب نہیں، ایک رسم ہے۔ ہر گھونٹ کے ساتھ تھکن کا کچھ حصہ پگھلتا محسوس ہوتا ہے۔ میں نے کپ ہاتھ میں لیا تو اس کی گرمی دیر تک ہتھیلی میں ٹھہری رہی۔

رات اترنے سے پہلے آسمان کا رنگ کئی بار بدلا۔ پہلے نارنجی، پھر گلابی، اور آخر میں ایک ایسا نیلا جو دن کے کسی رنگ سے نہیں ملتا۔ ستارے اتنے قریب لگ رہے تھے کہ ہاتھ بڑھا کر چھو لینے کا گمان ہوتا تھا۔ کسی نے کہا کہ شہر میں رہ کر ہم آسمان دیکھنا بھول گئے ہیں، اور یہ بات سچ تھی۔ روشنی کی آلودگی نے ہم سے ایک پرانا رشتہ چھین لیا ہے، اور ہمیں خبر بھی نہیں ہوئی۔

رات گہری ہوئی تو ایک بزرگ نے کہانی سنائی۔ انہوں نے کہا کہ ریگزار میں راستے کتابوں میں نہیں لکھے جاتے، وہ یادداشت میں رہتے ہیں۔ ہر ٹیلا، ہر خشک جھاڑی، ہر ہوا کا رخ ایک نشانی ہے۔ جو یہ نشانیاں پڑھ لیتا ہے، وہ کبھی نہیں بھٹکتا۔ یہ بات سن کر مجھے لگا کہ ہم جس دنیا میں رہتے ہیں، وہاں ہم نے ایسی ہر نشانی کو مٹا دیا ہے جو ہمیں راستہ یاد دلاتی تھی۔

صبح جب قافلہ دوبارہ چلا تو سورج کی پہلی کرن ریت پر سیدھی پڑ رہی تھی۔ اس وقت ریگزار بالکل خالی لگتا تھا، جیسے رات کی ساری کہانیاں ہوا نے مٹا دی ہوں۔ مگر میں جانتا تھا کہ یہ خالی پن دھوکا ہے۔ ہر ذرے کے نیچے ایک یاد دفن ہے، اور ہر یاد کسی نہ کسی کی زندگی کا حصہ رہی ہے۔ شام تک ہم واپس شہر کی طرف لوٹ رہے تھے، مگر میرا ایک حصہ وہیں رہ گیا، اس ٹیلے کے پاس، جہاں چائے کی کیتلی اب بھی چولھے پر رکھی ہوگی۔

## ریگزار کے کنارے شام کا منظر

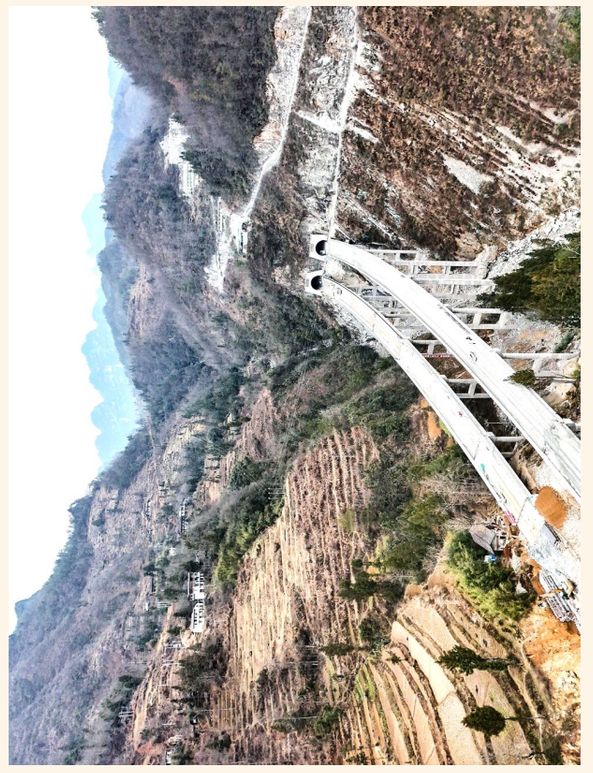

(صفحہ ۳ کالم ۲ سے جاری)